فصل نہم

(۱)

پہرے دار نے آہنی پھاٹک کھولا۔ دونوں بورسٹل جیل سے باہر آگئے۔ یہ گرمیوں کی سا
سلونی شام تھی۔ بحیرہ عرب سے آنے والی تیز سمندری ہوائیں سرسراتی ہوئی چل رہی تھیں
آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے منڈلا رہے تھے۔ کچھ دیر پہلے بوندا باندی ہو چکی تھی۔ بھیگے ہو
راستوں پر کہیں کہیں بارش اپنے نشان چھوڑ گئی تھی۔ دونوں جیل کی چار دیواری کے ساتھ ساتھ
چلنے لگے۔

نوشا پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ مگر آج اس کے ہمراہ راجہ نہیں پوکر تھا۔ گذشتہ سال کا ذکر ہے
ایک ایسی ہی شام تھی۔ جیل کا بوڑھا ماسٹر پیٹھ موڑے تختہ سیاہ پر چاک سے پاکستان کا نقشہ بنا رہا تھا
دفعتہً ایک طرف سے بکرے کی طرح زور زور سے ممیانے کی آواز ابھری۔ ماسٹر بدحواس ہو کر ا
طرح اچھلا کہ اس کا پیر پھسل گیا۔ وہ دھڑام سے کروٹ کے بل گرا۔ زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ وہ کپڑے
جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ سب کے چہرے زرد پڑ گئے۔ ماسٹر غضب ناک ہو کر اپنی انگلیاں رگڑ رہا تھا
اس بات کی علامت تھی کہ کسی کی شامت آنے والی ہے۔ وہ جب مارنے پر آتا تو پاگلوں کی
حرکتیں کرتا تھا۔ اس نے عینک کے موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے سے کلاس کو خونخوار نظروں
دیکھا۔ اس وقت وہ کچھ ایسا ہونق نظر آرہا تھا کہ راجہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ ماسٹر نے اسے ہنستے ہو
دیکھ لیا۔ اس نے بید اٹھایا اور چیل کی طرح جھپٹا۔ راجہ نے سراسیمہ ہو کر گردن جھکا لی۔ ماسٹر
اندھا دھند بید مارنا شروع کر دیئے۔

"مردود، تجھے بکرا بننے کا بڑا شوق ہے۔ تجھے بکرا ہی بنا کے چھوڑوں گا۔" وہ سڑاک سڑاک چھڑی مارتا اور ہر بار تال سر کے ساتھ کہتا۔ "بکرے کی بولی بول۔ بکرے کی بولی بول۔"

راجہ ذرا دیر تک تو مار کھاتا رہا، پھر تکلیف سے بلبلا کر چیخنے لگا۔ "میں نے بکرے کی آواز نہیں نکالی تھی۔"

ماسٹر نے پیتر ابدل کے زنانے کا ہاتھ گھمایا۔ "خبیث جھوٹ بولتا ہے۔"

راجہ نے صفائی پیش کی۔ "قسم اللہ کی ماسٹر صاحب میں نے بکرے کی آواز نہیں نکالی تھی۔"

"پھر کون تھا؟"

راجہ بات کہتے کہتے جھجک کر چپ ہو گیا۔ اسی وقت اس کے بازو پر سڑاک سے بید پڑا۔ وہ تڑپ کر بولا۔ "ماسٹر صاحب پوکر تھا۔"

پوکر کا نام محمد علی تھا مگر سب اسے پوکر کہتے تھے۔ وہ ہمیشہ کلاس میں ایسی ہی حرکتیں کرتا تھا۔ منہ کے اندر سے عجیب و غریب آوازیں نکالتا۔ بغل میں ہاتھ رکھ کر زور زور سے بجاتا کتابیں غائب کر دیتا۔ چٹکیاں بھرتا۔ نہ خود پڑھتا تھا اور نہ کسی کو پڑھنے دیتا تھا۔ چنانچہ روزانہ پٹتا تھا۔ مگر سب اسے ڈرتے بہت تھے۔ بڑا شورہ پشت تھا۔

بوڑھے ماسٹر نے راجہ کو چھوڑ دیا اور دانت کچکچاتا ہوا پوکر پر جھپٹا۔ پوکر مار کھانے کے معاملے میں تجربہ کار تھا۔ اس نے ماسٹر کے پہنچنے سے پہلی ہی گھٹنوں کے اندر سر چھپا لیا اور جھک کر بیٹھ گیا۔ ماسٹر نے قریب پہنچتے ہی بید لگانا شروع کر دئے۔ پوکر چپ چاپ پٹتا رہا۔ اس نے زبان سے ایک لفظ نہیں نکالا۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا۔

جب کلاس ختم ہوئی اور ماسٹر باہر چلا گیا تو پوکر لپک کر راجہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ راجہ سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ پوکر نے گندی سی گالی دی اور آنکھیں نکال کر بولا۔

"اب بتاؤ سالے خاں کیا کہتے ہو؟"

راجہ نے خوف زدہ ہو کر گردن جھکالی۔ پوکر نے ڈپٹ کر کہا۔ "سیدھا کھڑا ہو تیری تو۔"

گالی دے کر وہ ایک قدم پیچھے ہٹا اور حلق سے آواز نکالی۔ "ڈھیں۔" ساتھ ہی اچھل کر راجہ کے سر پر ٹکر ماری۔ دوسری، پھر تیسری۔ پوکر حلق سے آوازیں نکالتا رہا۔ "ڈھیں، ڈھیں،

خبیث: کمینہ، شورہ پشت: لڑاکا۔

ڈھیں۔" راجہ چکرا کر گر پڑا۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔

خون ٹپک کر ہاتھ پر گرا تو راجہ کو تاؤ آ گیا۔ وہ اٹھ کر اس پر کتے کی طرح جھپٹا۔ مگر پوکر نے ہاتھ گھما کر کنپٹی پر ایسا مکا مارا کہ وہ دور جا کر گرا۔ سنبھل کر اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ پوکر نے زور سے ٹھوکر ماری۔ ٹھوکر راجہ کے گھٹنے پر لگی۔ بہت زور کی چوٹ آئی۔ راجہ تکلیف سے بلبلا کر چیخ پڑا۔

جیلر کے روبرو پوکر کی پیشی ہوئی۔ سزا بھی ملی۔ مگر راجہ کے گھٹنے پر ایسا زخم آیا کہ اچھا نہ ہوا۔ کئی بار زخم دھو کر پٹی باندھی گئی۔ لیکن گھاؤ اچھا ہونے کے بجائے اور پھیلتا گیا۔ راجہ لنگڑا کر چلتا اور اکثر بیٹھا اپنا زخم کریدا کرتا۔ کچھ ہی عرصے بعد زخم سے ذرا نیچے پنڈلی پر بھی ایک زخم اور ہو گیا۔ یہ زخم کسی چوٹ سے نہیں آیا تھا۔ خود بخود پیدا ہوا تھا۔ پھر دیکھتے دیکھتے راجہ کے جسم پر جگہ جگہ سرخ اور سفید داغ پڑ گئے۔

جیل کا ڈاکٹر معمول کے مطابق قیدیوں کا معائنہ کرنے کے لیے آیا۔ اس نے راجہ کے زخموں اور سرخ اور سفید داغوں کو دیکھا تو دیر تک بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر علیحدہ کمرے میں لے جا کر بہت سے سوالات کیے۔ کوئی آدھ گھنٹہ تک اس کا خوب معائنہ کیا۔

دوبارہ ڈاکٹر جیل میں آیا تو راجہ کے جسم کی کھال جگہ جگہ سے پھٹنے لگی تھی۔ زخموں سے رطوبت بہا کرتی۔ راجہ کا چہرہ بھدا ہو گیا تھا۔ کان پھول گئے تھے۔ انگلیوں کے ناخن جھڑ گئے تھے۔ اسے دیکھ کر ڈر لگتا تھا۔ اب اس نے چلنا پھرنا بھی بند کر دیا تھا۔ ہر وقت نڈھال پڑا رہتا۔ زخموں کو کریدا کرتا۔

ڈاکٹر نے اس دفعہ دیکھا تو اس کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ اس روز اس نے راجہ سے کوئی بات چیت نہیں کی۔ چپ چاپ اس کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا۔

دوپہر سے کچھ دیر پہلے جیل کے پھاٹک پر ایک ایمبولنس آ کر ٹھہری۔ راجہ کو اس میں بٹھا کر اسپتال بھیج دیا گیا۔

راجہ اسپتال سے واپس نہیں آیا۔

❁ ❁ ❁

نوشا کو اب یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ راجہ اسپتال میں ہے یا اسپتال سے کہیں اور چلا گیا۔ لیکن وہ برابر راجہ کو یاد کرتا رہا اور آج جب وہ رہا ہو کر جیل سے نکلا تو اسے بار بار راجہ یاد آ رہا تھا۔ وہ نشانہ

چلتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ نہ معلوم اب راجہ کہاں ہوگا، کس طرح ہوگا؟ اسے کہاں تلاش کرے۔
کس طرح ملے؟

نوشا سنبھل سنبھل کر قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کے آگے پوکر چل رہا تھا۔ پوکر سے اس کی دوستی راجہ کے جیل سے جانے کے بعد ہوئی اور اس کی ابتدا بھی ایک حادثے سے ہوئی۔

پوکر گٹھے ہوئے مضبوط جسم کا لڑکا تھا۔ اس کی عمر سولہ سال سے کچھ اوپر تھی مگر دیکھنے میں زیادہ کم سن لگتا تھا۔ اس کا قد ٹھگنا اور رنگ سانولا تھا۔ اس نے ایک رکشا ڈرائیور کو چاقو مار کر زخمی کیا تھا۔ اسے اقدام قتل کے جرم میں سزا ہوئی تھی اور وہ بورسٹل جیل بھیج دیا گیا۔ وہ بڑے فخر سے اپنا یہ کارنامہ سنایا کرتا۔ "سالے کی ایک ہی ہاتھ میں انتڑیاں نکال دی تھیں۔ نہ جانے کیسے بچ گیا۔ ورنہ میں نے تو کام ہی تمام کر دیا تھا۔"

قیدی لڑکوں پر اس کا بڑا رعب پڑا۔ چند ہی روز میں اس کی دھاک بیٹھ گئی۔ وہ بات بات پر گالی بکتا، ہر وقت لڑائی جھگڑا کرنے پر تلا رہتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ بلاوجہ لڑکوں کو چھیڑ کر مار پیٹ کرتا۔ رنگ میں آکر آواز لگاتا۔ "ابے ہے کوئی ہے مائی کا لال۔ ذرا ہو جائیں دو دو ہاتھ۔" وہ بار بار انگڑائیاں لے کر ایک ایک کو دیکھتا۔ جب وہ نیا نیا جیل میں آیا تو بعض جرائم پیشہ لڑکوں نے اس کا چیلنج بھی قبول کیا۔ خوب دھینگا مشتی ہوتی۔ پیترے بدل بدل کے مکّے بازی کے ہاتھ دکھائے جاتے۔

پوکر غضب کا پھرتیلا تھا۔ لڑتے وقت اس کا جسم بجلی کی طرح تڑپتا معلوم ہوتا۔ کبھی داہنی کنپٹی جھکائی دے کر نکلا تو گردن پر بھرپور ہاتھ دیا۔ بائیں طرف سے گھسا تو ایک ہی لات میں منہ کے بل گرا دیا۔ جب تک حریف کے سامنے رہتا اس کا جسم بید کی مانند لچکتا رہتا۔ ایک مقام پر نہ ٹکتا۔ نگاہیاں بھی وہاں۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بٹیر کی طرح چمکتی تھیں۔ وہ ٹٹینی مرغ کی طرح اچھل اچھل کر حملہ کرتا۔ عام طور پر اس کی تکنیک یہ ہوتی کہ پہلے اپنے مقابل کو تھکا دیتا اور جب وہ ہانپنے لگتا تو مینڈھے کی طرح ایک قدم پیچھے ہٹتا۔ منہ سے "ڈھیں" کی آواز نکالتا اور زمین سے فٹ بھر اوپر اچھل کر زناٹے سے مکّا مارتا۔ لڑنے والے کو للکارتا "ابے منہ کیا دیکھ رہا ہے، چل، چل۔" کبھی کبھار حملہ کرتا تو پوکر اس کا ہاتھ صاف بچا جاتا۔ مسکرا کر بار بار اکساتا۔ "ایک اور۔ ابے ایک اور!" تھوڑا بڑھ کر حملہ کرتا اور اپنے حریف کا للکارتا بھی جاتا۔

ٹھوس: مضبوط، صحت مند۔ ٹھگنا قد: چھوٹا قد۔ دھاک بیٹھنا: رعب قائم ہونا۔ دھینگا مشتی: لڑائی، جھگڑا۔ غضب کا: بہت زیادہ۔ بٹیر: ایک پرندہ جو خوراک جس کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ ٹٹینی مرغ: چھوٹے قد کا مرغ۔

کوئی دن ایسا نہ جاتا جب اس کی پیشی نہ ہوتی۔ ہر روز اسے سزا ملتی۔ مگر جس طرح وہ ا
کے معاملے میں نڈر تھا اسی طرح مار کھانے میں بھی ڈھیٹ تھا۔ سزا پا کر آتا تو بڑی بے حیائی سے ہ
کر کہتا۔ "خواہ مخواہ سالے اپنے ہاتھ تھکاتے ہیں۔" پھر کسی لڑکے کو اشارہ کرتا۔ "لے یار ذرا کر
دو ایک مکیاں تو لگا دے۔ ادھر ایک آدھ ہاتھ گرم پڑ گیا تھا۔" وہ اسی طمطراق سے قیدی لڑکوں پر
چلاتا تھا۔ ذرا بھی کوئی حکم عدولی کرتا شامت آ جاتی۔

اس کا حکم نہ ماننے پر ایک بار نوشا کی بھی درگت بن چکی تھی۔ اس روز کسی بات پر ناراض
ہو کر پوکر نے ایک لڑکے کو مرغا بنا دیا۔ نوشا کو حکم دیا کہ وہ اس کی پیٹھ پر بیٹھ جائے۔ نوشا اس
لیے آمادہ نہ ہوا۔ پوکر نے اٹھ کر نوشا کے منہ پر ایک مکا جڑ دیا۔ وہ چکرا کر رہ گیا۔ اس وقت پوکر
دوسرا وار کیا۔ سنبھلتے سنبھلتے تیسرا وار ہوا تو نوشا کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ ہاتھ
کپکپانے لگے۔

پوکر کے پورے تین مکے جھیل جانا مذاق نہیں تھا۔ اچھے اچھے جی دار لڑکوں کے چھکے چھو
جاتے تھے۔ نوشا ان دنوں نیا نیا جیل میں داخل ہوا تھا۔ اس کے لیے یہ پہلا تجربہ تھا۔ وہ چکرا کر فر
پر بیٹھ گیا۔ پوکر نے اس لڑکے کی خطا معاف کر دی اور نوشا کو مرغا بنا کر پیٹھ پر اس لڑکے کو بٹھا دیا۔
نوشا نے اسی دن توبہ کر لی تھی کہ اب وہ کبھی پوکر کے منہ نہیں لگے گا۔ وہ بلا چوں چرا اس
ہر بات مان لیتا۔ البتہ راجہ نے اس کی لیڈری کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا تھا۔ کئی بار اس کا اور پو
کا بھیڑا ہوا اور ہر بار راجہ کی درگت بنی۔

پہلی بار دونوں کا جھگڑا کسی خاص بات پر نہیں ہوا تھا۔ پوکر نے حسب معمول لڑکوں کو چیلنج
تھا۔ وہ اپنا ہاتھ اونچا کیے آواز لگا رہا تھا۔ "ابے ہے کوئی مائی کا لال۔ ہاتھوں میں چل ہو رہی ہے
ہو جائے کچھ رگڑم رگڑا۔" اس وقت سارے لڑکے بیرک کے سامنے والے میدان میں اکٹھے ہو
پودوں کو پانی دے رہے تھے۔

جب کسی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو وہ گالیاں دینے لگا۔ "ابے تم سب سالے ہیج
ہو۔ ایک بھی مرد کا بچہ نہیں۔" اس نے سب کو خاموش پا کر اور بھی گندی گالیاں دینا شروع

پیشی: بڑے افسر کے سامنے حاضری۔ ڈھیٹ: ضدی۔ طمطراق: شان، رعب۔ درگت بننا: مار پڑنا۔ جی دار: بہادر۔ چھکے چھوٹنا: تمر ہا
بھیڑا: مقابلہ، آمنا سامنا۔ چیل: خارش۔

...وہ اس طرح اکثر ان کو مشتعل کرتا تھا۔

راجہ بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوکر کو للکارا۔ "ابے ذرا منہ سنبھال کر بات کر۔ ساری ہیکڑی ابھی نکال کے رکھ دوں گا۔"

پوکر اسے دیکھ کر مسکرایا۔ "تو پھر آجا بے طرم خاں کے سالے۔" اور اس کے روبرو جا کر کھڑا ہو گیا۔ راجہ نے چھوٹتے ہی زناٹے کا ہاتھ پوکر کے منہ پر رسید کیا۔ راجہ اس وقت تھا بھی تگڑا وار بھی اس نے جھنجلا کر کیا تھا۔

پوکر اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھا۔ مگا اس کے جبڑے پر بھرپور بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹ سے خون بہنے لگا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر ایک ہاتھ سے خون صاف کیا۔ ہنس کر بولا۔ "اچھا ہاتھ تھا۔ بڑا کس بل کا معلوم ہوتا ہے۔" پھر وہ دونوں ہاتھ تول کر راجہ کے سامنے لہرانے لگا۔ "کم آن، کم آن" وہ اسی طرح شروع میں اپنے حریف کو اکساتا تھا۔ راجہ نے دانت بھینچ کر ایک اور وار کیا۔ پوکر بچا گیا۔ اس نے ایکٹروں کی طرح مصنوعی قہقہہ لگایا۔ "ہے" اور راجہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ "ایک اور میری جان۔ کم آن، کم آن۔" وہ اپنے کندھے بار بار اچکا رہا تھا۔ ہنس ہنس کر کہہ رہا تھا۔

"کم آن، کم آن۔"

راجہ نے پھر مگا مارا۔ وہ بھی خالی گیا۔ جھنجلا کر اس نے پے در پے وار کرنا شروع کر دیے۔ پوکر اس کے سارے حملے خالی دیتا گیا۔ ذرا دیر میں راجہ ہانپنے لگا۔ اسی وقت پوکر نے اچھل کر وار کیا۔ راجہ بھرپور پڑا۔ راجہ نے تکلیف سے منہ بگاڑا۔ مگر وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ پوکر نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔

پانچویں مکے پر راجہ فرش پر اوندھے منہ گر پڑا۔

اس کے بعد بھی کئی بار پوکر سے راجہ کا جھگڑا ہوا۔ شروع شروع میں وہ اس سے ذرا ذرا سی بات پر لڑنے کے لیے مقابلے پر آجاتا تھا۔ لیکن بعد میں پوکر سے ڈرنے لگا تھا۔ اس سے صرف اسی وقت لڑتا تھا جب بہت جھنجھلا جاتا تھا۔

پوکر اب قیدی لڑکوں کا سرغنہ بن چکا تھا۔ سب پر اس کی حکومت چلتی تھی۔ کوئی بھی اس

تلخ آوری: خودسری۔ تگڑا: صحت مند، زور آور۔ کس بل: زور و طاقت۔ پے در پے: مسلسل۔ سرغنہ: سردار۔

کے حکم عدولی کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ وہ کسی بات پر ناراض ہو کر مارتا بھی تو لڑکے چپ چاپ اس کی مار سہ جاتے اور خوشامد الگ کرتے۔ اس لیے کہ اس کی ناراضگی بے حد خطرناک ہوتی تھی۔ قیدی لڑکوں پر پوکر کی حکومت اسی طرح چلتی رہی۔

❁ ❁ ❁

ایک تپتی ہوئی سہ پہر کو پولیس کی لاری جیل کے پھاٹک پر آ کر رکی۔ پہرے دار نے تالا کھو اور تین مسلح کانسٹیبلوں کی حراست میں گٹھے ہوئے بدن کا ایک لڑکا جیل کے اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں ہتکڑیاں پڑی تھیں وہ ٹخنوں سے اونچی نیلی پتلون پہنے تھا۔ جسم پر چھوٹی چھوٹی آستینوں کی ریشمی قمیص تھی۔ جس پر اژدہوں اور چیتوں کے علاوہ عورتوں اور مردوں کی ایسی تصویریں چھپی تھیں جو ہیجان انگیز انداز میں بوس و کنار کرتے نظر آتے۔ اس کی کمر کے گرد پیتل کے گوکھرو سے جڑی ہوئی چمڑے کی پیٹی تھی۔ آنکھوں پر چوڑے چوڑے حلقوں کا سبز چشمہ تھا۔ وہ ہالی وڈ کی دھاڑ سے بھرپور فلموں کا کردار معلوم ہوتا تھا۔ اس کی وضع قطع بالکل امریکی کاؤ بوائز کی سی تھی۔

اس کا نام تو کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن اس نے اپنا تعارف ٹارزن کہہ کر کرایا اور وہ اسی نام سے قیدیوں میں مشہور ہو گیا۔ سن و سال کے اعتبار سے وہ نابالغ لگتا تھا مگر اس پر زنا بالجبر کا مقدمہ چل رہا تھا۔ عدالت سے ابھی تک کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا۔ اور اس کی ضمانت بھی نہ ہو سکی تھی۔ اس کا مشغلہ غنڈہ گردی اور سینما کے ٹکٹوں کی چور بازاری تھا۔ شہر میں اس کے ساتھیوں کا باقاعدہ گروہ جو اکثر جیل میں ملاقات کے دن اس سے ملنے آتے اور ہمیشہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی سوغات لے آتے۔ اس کے علاوہ وہ پہرے داروں کے ذریعے چوری چھپے سگریٹیں منگواتا تھا۔ چھپ چھپ کر خود بھی پیتا تھا دوسرے قیدیوں کو بھی پلاتا تھا۔

سگریٹوں کی بدولت ٹارزن جلد ہی جیل میں ہر دلعزیز ہو گیا۔ اس نے اپنی پسند کے قید لڑکوں کی ایک ٹولی بنالی تھی جو ہر وقت اس کے دائیں بائیں پھرتے۔ ہر بات میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتے۔ اس کی خوب آؤ بھگت ہوتی۔ ہونٹوں سے سیٹی پر کوئی انگریزی دھن بجاتا ہوا وہ ٹھاٹھ سے جیل میں گھومتا پھرتا۔ ہاتھ پیروں میں کس بل تھا اور جھگڑا فساد کرنے کی مشق رہ چکی تھی۔ لہٰذا اس کی دھاک اور بھی زیادہ تھی۔

ہیجان انگیز: جذبات بھڑکانے والے۔ گوکھرو: لوہے کے بنے ہوئے کانٹے۔ سن و سال: مراد عمر۔ زنا بالجبر: زبردستی کسی عورت کی عزت لوٹنا۔ سوغات: تحفہ۔ ٹولی: گروہ۔ دھاک: رعب۔

پوکر کچھ دنوں تک خاموشی سے ٹارزن کی بڑھتی ہوئی ہر دلعزیزی دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ٹارزن سے مراسم بڑھانا چاہے۔ مگر وہ اپنی ہوا میں تھا۔ اس نے پوکر کو زیادہ لفٹ نہیں دی بلکہ ایک مقابلے میں جیتنے پر پوکر کو بری طرح جھڑک دیا۔ اسی بات پر دونوں میں ٹھن گئی۔ پوکر اس وقت تو چپ ہو گیا۔ اس لیے کہ خطا اس کی تھی۔ مگر دو ایک دن کا غوطہ دے کر اس نے ٹارزن کو چھیڑا۔ کچھ بھی نہ تھی۔ ٹارزن کی عادت تھی کہ وہ بات بات پر انگریزی میں گالیاں بکتا تھا جو امریکی لیاں کچھ دیکھ کر اس نے ازبر کر لی تھیں۔

ارزن اس روز ترنگ میں تھا۔ اس نے ایک لڑکے کو یونہی تفریحاً "بلڈی باسٹرڈ" کہہ دیا۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ البتہ پوکر اس کی حمایت میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ "دیکھو جی ٹارزن! تم اس طرح گالی نہ کیا کرو۔ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔"

ارزن نے اس کا کوئی نوٹس نہ لیا اور نہایت حقارت سے دھتکار دیا۔

"گٹ آؤٹ یو فکن"

پوکر نے تڑ سے اس کے جبڑے پر فوراً ایک مکا جڑ دیا۔ چیخ کر بولا۔ "سالے میں منع کر رہا ہوں ولیا اپنا حرامی پن دکھا رہا ہے۔"

ارزن نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا اور دونوں ہاتھ تول کر فلمی مکّے بازوں کی طرح رے سامنے آ کر جھومنے لگا۔ پھر اس نے دائیں طرف جھک کر پوکر کے منہ پر ایک مکا لگایا۔ ہاتھ لہٰذا ہوا پڑا۔ کوئی اور ہوتا تو پوکر صاف جھکائی دے کر نکل جاتا۔ لیکن اس پہلے ہی وار سے پوکر کو ہ ہو گیا کہ اس کا مدمقابل اناڑی نہیں ہے۔ اچھی خاصی مکّے بازی جانتا ہے۔ لہٰذا وہ بچ بچ کر حملہ نے لگا۔

دونوں مینڈھوں کی طرح جھوم جھوم کر لڑ رہے تھے۔ بڑے زوروں کا معرکہ پڑا۔ سارے کے دونوں کے گرد حلقہ بنا کر کھڑے ہو گئے۔ برابر کی جوڑ تھی۔ دونوں پینترے بدل بدل کر ایک رے پر حملے کر رہے تھے۔ پوکر کمزور پڑ رہا تھا۔ کئی بھرپور ہاتھ اس کی کنپٹی اور رخساروں پر پڑ چکے ور ایک بار تو ٹارزن نے ایسا زناٹے کا مکا مارا کہ پوکر لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ لڑکوں نے زور سے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ ان میں زیادہ تر ٹارزن کے حمایتی تھے۔

فکن: ازبر کرنا: زبانی یاد کرنا۔ خونخوار: غصے سے بھری ہوئی۔ چھچلتا ہوا: سرسری۔ زناٹے کا: زوردار۔

ٹارزن برابر دباتا جارہا تھا۔ پوکر چوٹ پر چوٹ کھا رہا تھا۔ اب اس کے ہاتھ بھی الٹے سیدھے پڑ رہے تھے۔ پوکر پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ پیچھے، اور پیچھے وہ جیل کی چار دیواری کے پاس پہنچ گیا۔ اس کی پشت بالکل دیوار سے لگ گئی۔ اس نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ راہ فرار اختیار کرنے کا موقع تلاش کر رہا ہے۔ اس کے رخسار جگہ جگہ سے سوج کر نیلے پڑ گئے تھے۔ ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ خچر کی طرح منہ پھاڑ کر زور زور سے ہانپ رہا تھا۔ ٹارزن اب اس پر پوری طرح حاوی ہو گیا تھا۔

پوکر نے ایک بار اپنی گردن جھکائی۔ حلق کے اندر سے "ڈھیں" کر کے بھیانک آواز نکالی اور مینڈھے کی طرح پنجوں کے بل اچھل کر ٹارزن کی ٹھوڑی پر زور کی ٹکر ماری۔ وہ اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھا۔ چندھیا کر رہ گیا۔ پوکر نے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ دوسری ٹکر، پھر تیسری۔ اس نے تابڑ توڑ کئی ٹکریں ایسی ماریں کہ ٹارزن ہونق کی طرح منہ پھاڑ کر جھومنے لگا۔

پوکر تیزی سے دائیں بغل سے نکلا اور گھوم کر ٹارزن کے رخسار کی پچھلی ہڈی پر زوردار گھونسا دیا۔ وہ چکر کھا کر رہ گیا۔ اب ٹارزن کی پشت پر دیوار تھی اور پوکر اس کے سامنے تھا۔ اس کے بعد پوکر نے اچھل اچھل کر دو تین بھرپور مکے مارے تو ٹارزن لڑکھڑا کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں فرش پر پھیلی ہوئی تھیں۔ پیٹھ دیوار سے لگی تھی۔ وہ منہ کھولے زور زور سے ہانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

اس معرکے کے بعد ٹارزن کی ہوا بگڑ گئی۔ اسے اپنی بے عزتی کا شدید احساس تھا۔ وہ کئی روز تک اسی ادھیڑ بن میں رہا کہ کس طرح پوکر کو نیچا دکھایا جائے تاکہ انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو۔

ایک روز موقع پا کر اس نے پوکر کو گھیر لیا۔ اس کے ہمراہ اس وقت کئی منتخب کیے ہوئے قیدی لڑکے تھے۔ پروگرام کے مطابق پہلے ایک لڑکے کو بھیجا گیا۔ وہ پوکر کے برابر سے بغلیں بجاتا ہوا گزرا۔ غنڈوں کی اصطلاح میں اس کا مقصد پوکر کی بے عزتی کرنا تھی۔

پوکر نے اس لڑکے کو غصے سے دیکھا اور ڈپٹ کر بولا۔ "سالے چمگادڑ! تیری تو ایسی کی تیسی۔" وہ گالیاں دیتا ہوا جھپٹا اور اس کی گردن دبوچ لی۔ آناً فاناً ٹارزن اور اس کے ساتھی پوکر پر ٹوٹ پڑے۔ وہ اس اچانک حملے کے لیے قطعی تیار نہ تھا۔ سب نے مل کر اسے گرا دیا۔ ٹارزن بیٹھ کر اس

چندھیانا: آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جانا۔ ہوا بگڑنا: حالات کا پہلے سے الٹ ہو جانا۔

چلا اس نے اوپر سے اندھا دھند پوکر کے منہ پر مکے مارنا شروع کر دیے۔ پوکر نیچے دبا ہوا بے بسی سے گالیاں بکتا رہا۔

نوشا اس وقت قریب ہی موجود تھا۔ لپک کر وہاں پہنچ گیا۔ ذرا دیر تک وہ پوکر کو پٹتے دیکھتا رہا۔ نہ جانے اسے کیا سوجھی منہ بگاڑ کر تیکھے لہجے میں بولا۔

"اتنے بہت سے مل کر اکیلے کو مار رہے ہو۔ ابے یہ بھی کوئی مردانگی ہے۔"

ٹارزن نے اسے قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ چیخ کر گالی دی۔ "شٹ آپ یو بلیڈی۔"

نوشا نے بے پروائی سے کہا۔۔۔ "اکیلے اکیلے لڑلو۔"

اس کی مراد یہ تھی کہ ٹارزن اکیلا پوکر سے لڑے۔ مگر ٹارزن یہ سمجھا کہ وہ اس کو للکار رہا ہے۔ اس نے پوکر کو چھوڑ دیا۔ جھپٹ کر نوشا کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

"اچھا، تو تم مجھے چیلنج دے رہے ہو۔ تو پھر آجاؤ سامنے۔"

نوشا لڑائی جھگڑے سے ہمیشہ گھبراتا تھا۔ آہستہ سے بولا۔ "ابے میرے سر کیوں ہوئے جا رہے ہو؟"

ویسے نوشا ایسا کمزور بھی نہیں تھا۔ اب وہ خاصا لمبا چوڑا ہو گیا تھا۔ لمبے لمبے بے ڈول ہاتھ پاؤں اونچا قد اور موٹا تگڑا جسم۔ دیکھنے میں وہ خاصا مسٹنڈا لگتا تھا۔ ٹارزن نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ جھپٹ کر اس کے منہ پر ایک زوردار مکا جڑ دیا۔ نوشا بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔ ٹارزن نے ایک اور لمبے کا ہاتھ دیا۔ نوشا مکے بازی کا عادی نہیں تھا۔ جھنجلا کر ٹارزن پر جھپٹا۔ ایک مکا اس کی کنپٹی پر اور اگر دوا اس سے لپٹ ہی گیا۔

دونوں گتھم گتھا ہو کر کچھ دیر تک زور آزمائی کرتے رہے۔ پھر نوشا نے شنگوی لگا کر ٹارزن کو اٹھایا اور اس کے سینے پر گھٹنا رکھ کر دو تین کس کس کے رگڑے جو دیے تو وہ لگا غیں غیں کرنے۔

پوکر ابھی تک ٹارزن کے ساتھیوں کے نرغے میں گھرا ہوا لڑ رہا تھا۔ اس پر چاروں طرف سے گھٹے ہو رہے تھے۔ وہ اکیلا سب کے وار روک رہا تھا۔ ٹارزن کا نوشا نے حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اب وہ لڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ نوشا نے اس کو تو وہیں چھوڑا اور لپک کر پوکر کے قریب پہنچا۔ اس کا واقعی بڑے جوش میں تھا۔ اس نے سب کو للکارا۔

شنگوی لگا کر: مراد ٹانگ مار کر، پہلوانوں کا ایک داؤ۔ غیں غیں کرنا: منت سماجت کرنا، عاجز ہونا۔

"آجاؤ سالو! ایک ایک کی ایسی کی تیسی کر دوں گا۔"

وہ ان پر جھپٹا۔ جس کے ہاتھ مارا اس کی سٹی گم ہو گئی۔ ذرا ہی دیر میں سب بدحواس ہو کر بھاگ گئے۔ پوکر نے بڑھ کر نوشا کو گلے لگا لیا۔ "ابے واہ میرے شیر کیا بات ہے تیری۔ یار تو تو چھپا رستم نکلا۔" وہ دیر تک اسے بڑھاوا چڑھاوا دیتا رہا۔

اسی وقت سے ان کی دوستی ہو گئی۔ پھر آپس میں ایسی گاڑھی چھننے لگی کہ دونوں ہر وقت ایک ساتھ نظر آتے۔ جیل سے راجہ کے جانے کے بعد نوشا جو اکیلا پن محسوس کر رہا تھا، اس کی کمی کو پوکر نے پورا کر دیا۔ اس کے ساتھ رہنے میں ٹھاٹھ بھی بہت تھے۔ سب پر حکم چلتا تھا۔

ٹارزن زیادہ دنوں تک جیل میں نہیں رہا۔ ایک رات زبردست طوفان آیا۔ موسلا دھار بارش ہوئی۔ ہوا کے جھکڑ اس طرح شور کرتے ہوئے چلتے جیسے بہت سے آدمی ملی جلی آوازوں کے ساتھ سسکیاں بھر رہے ہوں۔ بجلی بار بار کڑکتی۔ بارش کے موٹے موٹے قطرے بیرک کی چھت پر جلترنگ بجاتے۔ سویرے اٹھ کر سب نے دیکھا۔ ٹارزن غائب تھا۔ تلاش ہوئی تو میدان میں کچھ پر بڑے بڑے قدموں کے نشان نظر آئے جو احاطے کی دیوار تک گئے تھے۔ ٹارزن راتوں رات دیوار پھاند کر فرار ہو گیا تھا۔

اس کے بعد دو اور قیدی لڑکے جیل سے نکل بھاگے۔ ایک رات پوکر اور نوشا نے بھی فرار ہونے کی کوشش کی مگر پکڑے گئے۔ بڑی سخت سزا ملی۔ پیروں میں ڈنڈا بیڑیاں لگا کر قید تنہائی میں ڈال دیے گئے اور کڑی نگرانی کی جانے لگی۔

جیل میں نوشا نے اور تو کچھ نہیں سیکھا البتہ پوکر کی صحبت میں رہ کر اسے لڑنے بھڑنے اور چاقو چلانے کی تکنیک معلوم ہو گئی۔ اب وہ ایسے موقعوں کے تمام ہتھکنڈے جان گیا تھا اور آئے دن کسی نہ کسی بات پر لڑکوں سے جھگڑتا رہتا۔ اس میں پہلے جو جھجک اور خوف تھا، جاتا رہا۔

اب وہ بالکل نڈر ہو کر لڑتا تھا۔ اس کے علاوہ پوکر بڑا اچھا جیب کترا تھا۔ اس فن کے تمام گر اس نے نوشا کو بتا دیے تھے۔

بورسٹل جیل میں بڑی تعداد ایسے لڑکوں کی تھی جو جرائم پیشہ تھے۔ ان میں افلاطون بھی تھا۔ وہ تالا توڑنے کا ماہر تھا اور اس فن کو بڑی فیاضی سے سکھاتا تھا۔ نوشا بھی کچھ عرصہ اس کا شاگرد رہا۔

سٹی گم ہونا: بوکھلانا۔ گاڑھی چھننا: آپس میں خوب میل جول ہونا۔ فیاضی: سخاوت، کھلے دل سے۔

تا حد یہ اس فن کو سیکھ بھی گیا۔ تجربہ کرنے کا موقع نہیں ملا ورنہ جس طرح پوکر جیب تراشی
ی کئی بار اس کا امتحان لے چکا تھا، تالا توڑنے کے ہنر کا مظاہرہ بھی ہو جاتا۔
پہلے وہ جیل میں بے حد اداس رہتا تھا۔ اکثر راتوں کو اٹھ اٹھ کر رویا کرتا۔ گڑگڑا کر گھنٹوں
ہائی مانگا کرتا۔ سب سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرتا۔ جیل کا ماسٹر جو سبق دیتا اسے جی لگا کے
ہ جب تک جیل میں راجہ رہا اس کا یہی رڈیہ رہا۔ مگر جب پوکر سے مراسم بڑھے تو وہ رفتہ رفتہ اس
ی رنگ میں رنگتا چلا گیا۔ اور یہ محض اتفاق ہی تھا کہ جیل سے دونوں کی رہائی ایک ہی روز ہوئی۔

(۲)

نوشا اور پوکر فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ چلتے رہے۔
شام گہری ہوتی جا رہی تھی۔ روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ شہر کی دیواروں پر سائے لہرا رہے تھے۔
وہ کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ پیچھے سے آواز آئی۔
ابے او پوکر! کدھر منہ اٹھائے جا رہا ہے؟"
پوکر نے پلٹ کر دیکھا۔ ٹین کی جھکی ہوئی چھت والے ایک چائے خانے کے سامنے استاد
پیڈرو کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ باجوا بھی تھا۔ پوکر رک گیا۔
استاد پیڈرو اپنی اجلی شلوار کھڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف لپکا۔ پیچھے پیچھے باجوا آ رہا تھا۔ استاد نے
دور ہی سے اپنے بازو پھیلا دیے۔ پوکر کو بڑے جوش سے دونوں بازوؤں میں بھینچ کر اوپر اٹھا لیا۔ ہنستے
ہوئے بولا۔
"سالوں نے اب چھوڑا ہے۔ میں تو چار بجے کا یاں آیا بیٹھا ہوں۔ حرام کے جنوں نے بیسیوں
بار گلا واڈالے۔ ابھی ابھی تو ہو کر آ رہا ہوں۔"
استاد دیر تک بازوؤں میں بھینچے ہوئے اس کی پیٹھ شفقت سے تھپکتا رہا۔ جب دونوں علیحدہ
ہوئے تو باجوا نے رومال میں لپٹا ہوا پھولوں کا گجرا نکالا اور پوکر کے گلے میں ڈال دیا۔ گجرا پہننے کے بعد
اس کو نوشا کا خیال آیا جو اس کے برابر خاموش کھڑا تھا۔ اس نے استاد سے نوشا کا تعارف کرایا۔

ہکلا کر زور کر۔ مراسم: تعلقات۔ بھینچ کر: زور سے دبا کر۔

"استاد! یہ نوشا بھی اپنا یار ہے۔ میرے ساتھ ہی چھٹ کر آیا ہے۔"

نوشا نے گردن کو ذرا سا خم دے کر بڑی سعادت مندی سے استاد کو سلام کیا۔ اس کے ا
انداز پر استاد پیڈرو کا دل خوش ہو گیا۔ بزرگوں کی طرح سر پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ "جیتے رہو!" وہ با
کی جانب متوجہ ہوا۔

"کیوں بے باجوا، وہ ٹیکسی والا کہاں مر گیا؟ ٹیکسی میں پٹرول ڈلوانے گیا تھا۔ اب تک نہ
لوٹا۔ تو ٹیکسی لے کر آ۔ تب تک میں لمڈوں کو چائے پلا دوں۔"

باجوا ٹیکسی لینے چل دیا۔ استاد پیڈرو دونوں کے ہمراہ چائے خانے میں پہنچا۔ بینچ پر بیٹھتے ہو
چائے خانے کے مالک سے بولا۔

"سیٹھ! دو فشٹ کلاس ڈبل چائے تو مارو۔ ذرا بالائی اچھی ڈلوانا۔ لمڈا دبلا ہو کر آیا ہے۔" ا
نے محبت سے پوکر کے بازو کو دبایا۔ "ابے کچھ کھانے کو بھی مل رہا تھا۔ تیری تو ہڈیاں نکل آئیں۔"

پوکر جیل کی تکلیفیں سنانے لگا۔ استاد کرید کرید کر ایک ایک بات پوچھ رہا تھا۔

نوشا خاموش بیٹھا ان کی باتیں سنتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد چائے آ گئی۔ دونوں نے چائے پی اور وہاں سے اٹھ کر سڑک پر آ گئے۔ با
ٹیکسی لے آیا تھا اور ان کا انتظار کر رہا تھا۔ چاروں ٹیکسی کے اندر جا کر بیٹھ گئے۔ ٹیکسی عثمان آباد
طرف چل دی جہاں استاد پیڈرو کا اڈا تھا۔

❁ ❁ ❁

بندر روڈ پر روشنیوں کا جال پھیلا تھا۔ رات ہولے ہولے کراچی کی فلک بوس عمارتوں
نیچے اتر رہی تھی۔ استاد بڑے ٹھاٹھ سے گردن اونچی کئے بیٹھا تھا۔ وہ ادھیڑ آدمی تھا۔ سر کے با
کھچڑی ہو گئے تھے۔ مونچھیں بہت گھنی تھیں۔ آنکھوں میں بڑی پراسرار چمک تھی۔ قد میانہ تھا
جسم پر چربی کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں۔

جب وہ اڈے پر پہنچے تو پہر رات گزر چکی تھی۔

"اڈا ایک تنگ و تاریک گلی کے اندر تھا۔ چاروں طرف کچی دیواروں والے چھوٹے چھو
مکانات تھے۔ البتہ اڈا جس مکان میں تھا اس کی دیواریں پختہ تھیں۔ اس میں کئی کمرے اور ایک طو

فلک بوس: اونچی، بلند۔ کھچڑی: سفید اور سیاہ۔ میانا: مناسب۔

ان خانہ۔ صحن بڑا کشادہ تھا مگر اس کا فرش کچا تھا۔ صحن کے ایک گوشے میں نیم کا گھنا درخت تھا جس
ے بسیرا کرتے تھے اور چاندنی راتوں میں اڑاڑ کر شور مچاتے تھے۔
نبی گلی کے نکڑ پر رکی۔ استاد پیڈرو کرایہ ادا کر چکا تو اس نے مشکوک نظروں سے نوشا کو
ادر پوکر کو علیحدہ لے جا کر پوچھا۔
"کیوں جی! یہ نوشے کا کیا معاملہ ہے؟"
پوکر نے فوراً جواب دیا۔ "استاد! وہ تو اب اپنے ہی ساتھ رہے گا۔"
"ساتھ تو رکھ لوں گا پر کچھ اپنے کینڈے کا بھی ہے؟"
"کیا پوچھتے ہو استاد! بڑا جی دار لونڈا ہے۔ ویسے میں نے اس کو کاریگری کے دو چار ہاتھ سمجھا
ہیں۔"
استاد پیڈرو نے اسے ڈانٹا۔ "ابے تو کیا سمجھائے گا۔ ابھی تو تیرا ہاتھ خود نہیں صاف ہوا۔
لے چلے ہیں استادی کرنے۔"
پوکر کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔
استاد نے باجوا اور نوشا کو اشارے سے قریب بلایا اور ان کے ہمراہ گلی میں داخل ہوا۔ اڈے
ندر جا کر اس نے دیکھا۔ بڑے کمرے میں لالٹین جل رہی تھی۔ چکرم دیوار سے پیٹھ لگائے
ٹ بیٹھا تھا۔ استاد پیڈرو کو دیکھ کر فوراً کھڑا ہو گیا۔ استاد نے پوچھا۔
"یہ لمڈے ابھی تک نہیں لوٹے؟"
"قادر اور پنچھی آئے تھے۔ چائے پینے گئے ہیں۔"
استاد نے ایک لمبی، ہوں کی اور کمرے میں بچھی ہوئی دری پر تھکا ہوا سا بیٹھ گیا۔ پوکر کو
ہ کر کے بولا۔ "ابے تیرے چکرم نے تو آج اپنا پلیتھن نکال دیا۔"
چکرم نے مسکرا کر پوکر کو دیکھا۔ دونوں ایک دوسرے سے چمٹ گئے۔ چکرم نے کہا۔ "یار
بغیر تاش کھیلنے کا لطف جاتا رہا۔ خدا قسم تجھے روز یاد کرتے تھے۔"
پوکر ہنس کر بولا۔ "تو پھر آج ہی جمے گی۔ یار بہت دن ہو گئے تاش کھیلے ہوئے۔ بڑی مشکل
انوں کی ایک گڈی ہاتھ لگی تھی۔ ایک دن سالوں نے دیکھ لیا۔ اسی وقت چھین کر لے گئے۔"

الفاظ: کھسیانی: شرمندگی والی۔ پلیتھن نکل گیا: مرد بہت تھک گیا۔

وہ چکرم کو بورسٹل جیل کی باتیں سنانے لگا۔ نوشا چپ بیٹھا رہا۔ پوکر نے اسے چکرم سے ملایا بڑی گرم جوشی سے ملا۔

استاد پیڈرو اب بازو پر سر ٹکا کر چت لیٹا تھا۔ باجو اپھرتی سے اس کی پنڈلیاں دبا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ بڑے سدھے ہوئے تھے اور تیزی سے چل رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد کمرے کے دروازے پر بیس، بائیس سال کے دو نوجوان لڑکے نمودار ہوئے ایک کا رنگ سیاہ تھا۔ بالوں میں خوب تیل چپڑا ہوا تھا۔ وہ پتلون اور بش شرٹ پہنے تھا۔ دوسرا اس سے مختلف تھا۔ اس کا رنگ کھلتا ہوا تھا۔ گلے میں ریشمی رومال بندھا تھا۔ خوب گھیر دار لٹھے کی شلوار پہنے تھا۔ دونوں بے تکلفی سے قہقہے لگا رہے تھے۔

استاد نے دونوں کو قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ گرجدار آواز سے بولا۔ "ابے بڑی ہنسی ہو رہی ہیں۔ بہت دن سے تمہاری کندی نہیں ہوئی۔"

دونوں سہم کر رہ گئے۔ انہوں نے جلدی جلدی استاد کو سلام کیا اور ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گئے۔ استاد نے پوچھا۔

"ابے ادھر منہ چھپا کر کیوں بیٹھ گئے۔ تم اب تک رہے کہاں؟"

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش بیٹھے رہے۔

اس دفعہ استاد نے ڈپٹ کر کہا۔ "ابے منہ پھوٹ گئے تمہارے۔ بولتے کیوں نہیں؟" پھر اس نوجوان کو جس کا رنگ سیاہ تھا، مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "تو بتا بے کالٹین؟"

وہ مری ہوئی آواز سے بولا۔ "استاد ذرا دیر ہو گئی۔"

استاد کو جلال آ گیا۔ "ابے یہ ذرا دیر ہو گئی۔ دس بج رہا ہے اور تو ذرا ہی دیر کے رہا ہے۔ دونوں کی ڈیوٹی تو پاسپورٹ کے دفتر پر تھی۔ وہ تو چار بجے بند ہو جاتا ہے۔ اب تو وہاں کتے لوٹ رہے ہوں گے۔"

"کلفٹن چلے گئے تھے۔" اس دفعہ دوسرے نے جواب دیا۔

"تو یوں کہو سیریں ہو رہی تھیں۔ ابے تم کو کیوں ہوا لگی ہے۔ سالو! کھال میں رہو کھال میں۔" وہ چکرم کی طرف پلٹا۔ ڈپٹ کر بولا۔ "چل بے چکرم! بہت ہو چکی یاری۔ کام بھی کرے گا یا باتیں ہی ہوتی رہیں گی۔"

چت لیٹنا: پشت کے بل بالکل سیدھا لیٹنا۔ کندی: پٹائی۔ جلال: غصہ۔

چکرم گھبرا کر اٹھا۔ اس نے کمرے کے کونے میں رکھا ہوا لکڑی کا صندوق کھولا۔ رجسٹر اور دان نکالا اور لالٹین کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ استاد نے دونوں نوجوان لڑکوں سے کہا۔

"کلیلیں تو تم دونوں بہت بھر رہے تھے۔ اب دیکھوں تم کیا تیر مار کر آئے ہو؟"

لالٹین نے پتلون کی جیب سے کئی نوٹ اور کچھ ریزگاری نکال کر چکرم کے سامنے ڈال دی۔

پیڈرو نے پوچھا۔ "کیوں بے چکرم۔ کتنی رقم ہے؟ یہ تو سالے اپنی زبان سے بتائیں گے نہیں۔"

چکرم نے پوری رقم گن کر کہا۔ "۵۵ روپے نو آنے ہیں۔" اور رجسٹر میں رقم درج کرنے لگا۔

استاد پیڈرو نے کہا۔ "بس! کل تو تم بڑے فروٹ گئے تھے۔ آج کیا ہوا؟"

"آج تو صرف ایک ہی موقع لگا۔ کل چار دفعہ کاریگری کی تھی۔"

"نہیں بے، اتنی تیزی ٹھیک نہیں۔ تم نے کل یہ بات کیوں نہیں بتائی۔ بس ایک دفعہ کاری [illegible] دکھایا کرو۔ ورنہ دھر لیے جاؤ گے۔ جتنا ملے گا نہیں اتنا رشوت میں الفتے کھا جائیں گے۔"

استاد پیڈرو کی ناراضگی رفع ہو چکی تھی۔ وہ انہیں بزرگوں کی طرح جیب تراشی کے فن پر نئے نکتے سمجھانے لگا۔ دونوں سر جھکائے اس کی باتیں سنتے رہے۔ اسی اثنا میں تین نوعمر لڑکے کمرے [illegible] داخل ہوئے۔

"استاد سلام!"

"استاد سلام!"

"استاد سلام!"

تینوں اسے سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔ چند ہی منٹ بعد ایک لمبے قد کا نوجوان آیا۔ اس نے بھی سلام کیا اور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ استاد فرش پر لیٹ گیا۔ باجو اس کے پیر دباتا رہا۔ اب [illegible] لڑکوں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ گیارہ بجے تک کمرے میں خاصی بھیڑ ہو گئی۔ وہ تعداد میں [illegible] تھے۔

ان میں کم سن لڑکے تھے۔ کڑیل نوجوان تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو سن و سال کے لحاظ سے [illegible] ہو گئے تھے۔ جو بھی جیب کترا آتا پوکر سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ بغل گیر ہوتا اور جیل کا [illegible] پوچھتا۔

[illegible] کرنا: مچھلی کو دکرنا، ہنسی مذاق کرنا۔ الفتے: لفنگے، مفت خورے۔ خرانٹ: تجربہ کار۔

کمرے میں ملی جلی آوازوں کا ہلکا ہلکا شور مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہا تھا۔ استاد پیڈرو کرونٹ کے بل خاموش لیٹا تھا۔ آخر وہ انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا۔

سارے جیب کترے سنبھل کر بیٹھ گئے۔ چکرم نے لالٹین اور رجسٹر اٹھایا اور اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔

استاد نے جیب کتروں سے کہا۔ "چلو بے حساب دو۔"

ایک ایک جیب کترا باری باری آتا اور جیب سے نوٹ اور ریزگاری نکال کر اس کے سامنے ڈالتا جاتا۔ استاد پیڈرو اونچی آواز سے جیب کترے کا نام لیتا اور خود رقم گنتا۔ چکرم فوراً رجسٹر میں اندراج کر لیتا۔

استاد پیڈرو کسی کی پیٹھ ٹھونک کر شاباشی دیتا۔ کسی کو گالیاں دیتا۔ کسی کو جیب تراشنے کے فن پر لیکچر دیتا۔ دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔

جب سب جیب کترے اپنی اپنی آمدنی جمع کرا چکے تو استاد نے ساری رقم میں سے ایک تہائی حصہ نکال کر چکرم کو دے دیا۔ یہ اڈے کا حصہ تھا۔ بقیہ رقم میں سے استاد نے ہر ایک کی دہاڑی بانٹ دی۔ جیب کتروں کے مختلف مدارج تھے۔ جو سینیئر تھے ان میں ۵۰ فی صدی حصہ تقسیم کر دیا گیا۔ ان سے کم درجے کے تھے ان کو روپے میں ۵ آنے کا حصہ ملا اور جو بالکل جونیئر تھے ان کے حصے میں ۳ آنے کا حصہ آیا۔

استاد پیڈرو جیب کتروں میں اس روز کی دہاڑی تقسیم کر چکا تو اس نے باجوا کی طرف اشارہ کر کے چکرم سے کہا۔ "اسے بیس روپے دے دیجیو۔" پھر باجوا کی طرف متوجہ ہوا۔ "جا بے بازار کے لیے سامان لے آ۔ مٹھائی تازہ لائیو۔ اس سالے افضل کے ہاں نہ جائیو۔ پتہ نہیں سالا گھی میں کیا ملاوٹ کرتا ہے۔ اس دن جو امرتیاں تو لایا تھا ایسا گلا پکڑا کہ اب تک طبیعت ٹھیک نہیں ہوئی۔"

باجوا نے چکرم سے بیس روپے لیے اور باہر چلا گیا۔

استاد بھی زیادہ دیر نہ ٹھہرا۔ اٹھ کر خاموشی سے باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی جیب کتروں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ وہ ایک دوسرے کو گالیاں دے دے کر باتیں کر رہے تھے۔ ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ بے تکلفی سے قہقہے لگا رہے تھے۔ سب کھسک کھسک کر پوکر کے گرد حلقہ بنا کر اکٹھے ہو گئے تھے۔ الٹے سیدھے سوالات پوچھ رہے تھے۔

نوشا گم صم بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ سہما ہوا نظر آرہا تھا۔ ہر جیب کترا مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ان کے اس انداز نے اسے اور بھی پریشان کر دیا تھا۔

❁ ❁ ❁

استاد پیڈرو کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اس وقت صرف سفید لنگی باندھے ہوئے تھا اور اپنے گیلے ہوئے بدن کو تولیہ سے پونچھ رہا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ غسل کر کے آیا ہے۔

جب بدن پونچھ چکا تو اس نے چکرم کے آگے کنجی پھینک کر کہا۔ "الماری سے ایک دھلا ہوا لنگوٹا نکال کر لا۔" کنجی لے کر چکرم جانے لگا تو اس نے ٹوکا۔

"اور ہاں میری ٹوپی اور مصلا بھی لائیو۔"

چکرم باہر چلا گیا۔ استاد پیڈرو نے اشارے سے نوشا کو قریب بلایا۔ "میرے کنے آئیو۔" وہ سہما ہوا اس کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ استاد نے کہا۔

"ذرا اپنا دہنا ہاتھ تو دکھائیو۔"

نوشا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ استاد اس کا ہاتھ تھام کر انگلیوں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے لگا۔ نوشا کی انگلیاں نرم اور لانبی لانبی تھیں۔

استاد مسکرا کر بولا۔ "انگلیاں تو تیری ٹھیک دکھے ہیں۔ کچھ دن زور پنجہ کرانا پڑے گا۔ کھنچاؤ ہے۔"

وہ اس کی انگلیاں دیکھتا رہا اور اپنی مخصوص اصلاحات میں ان پر تبصرہ بھی کرتا رہا۔ جب وہ اطمینان دیکھ چکا تو نوشا اٹھ کر جانے لگا۔ استاد نے ڈپٹ کر کہا۔

"کسے ڈرا کیوں جا رہا ہے۔ یہ ڈھوکا ڈھوبدن دیکھو اور ابھی سے اس کی سٹی گم ہے۔"

نوشا چپ چاپ اس کے برابر بیٹھ گیا۔

استاد کچھ کہنے ہی جا رہا تھا اتنے میں پنچھی بول پڑا۔

"کل سولجر بازار والے استاد احمد جان ٹکر گئے تھے۔ آج کل ان کے بڑے نقشے ہیں۔ بڑے دنگل مار رہے ہیں۔"

ڈھوکا ڈھو: مراد موٹا تازہ۔

پیڈرو نے اس کی بات میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا کے رہا تھا؟"

پنچھی نے بتایا۔ "بڑی ہوا باندھ رہے تھے۔ کہنے لگے کراچی میں تو سب اٹھائی گیرے ہیں کاریگر ایک بھی نہیں۔ جسے دیکھو وہی استاد بنا پھرتا ہے۔"

استاد پیڈرو کو تاؤ آ گیا۔ تیوری پر بل ڈال کر بولا۔

"استاد تو وہی سالا شہر بھر میں رہ گیا ہے۔ خواہ مخواہ فٹی مارتا پھرتا ہے۔ بس کپڑا ماری دو چار الٹے سیدھے ہاتھ جانتا ہے۔ وہ تو ذرا ذرا سے لمڈے بھی جانتے ہیں۔ جسے گرہ کٹی کہتے ہیں فن تو اس کے استاد کو بھی نہ آتا ہوگا۔ سالا اب تک تیسری انگلی اناڑیوں کی طرح چلاتا ہے۔ انگو چلانا تو اسے آج تک نہیں آیا۔ وہ کیا بمبئی کے سیکھے ہوئے جتنے کاریگر ہیں سب سالے اناڑی ہیں۔"

استاد پیڈرو بڑے جوش کے ساتھ بول رہا تھا۔

سارے جیب کترے دم بخود بیٹھے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ استاد گردن کو بار بار خم دے کہتا رہا۔

"کام کرنے والے تو کلکتے سے بڑھ کر روئے زمین پر نہ ہوں گے۔ یہاں کا سا حساب تھوڑ ہے کہ پھوکٹ میں ہنر سیکھ لو۔ اپنے استاد تھے شیخ نبی بخش۔ ستر سے اوپر سن تھا۔ دکھائی بھی کم تھا۔ ان کا باقاعدہ اسکول تھا۔ پورے سو روپے نذرانہ لیتے تھے۔ پھر کام سیکھنے میں ان کے نو سو نخرے الگ جھیلنا پڑتے تھے۔ ذرا کوئی بات مرضی کے خلاف ہوئی چھٹتے ہی منہ پر ہاتھ پڑتا تھا۔ کیا مجال کہ چوں کر جائے۔ کھڑے کھڑے نکال باہر کرتے۔ مگر اپنے کام کے ماہر تھے۔ دھاک اتنی تھی کہ پیشاب سے چراغ جلتا تھا۔ بڑے بڑے مانے ہوئے استاد آ کر کان پکڑ گئے۔"

استاد پیڈرو کا غصہ ختم ہو گیا۔ اب وہ موج میں آ کر بڑی روانی سے بول رہا تھا۔ اسی اثنا میں چکرم کپڑے لے کر آ گیا۔

استاد پیڈرو نے اٹھ کر وہیں کھڑے کھڑے کپڑے تبدیل کیے۔ دری پر مصلا بچھایا اور اس کے ایک کونے پر بیٹھ گیا۔

ذرا دیر بعد باجو اسامان سے لدا پھندا کمرے میں داخل ہوا اور سارا سامان استاد پیڈرو کے

اٹھائی گیرا: جیب کترا، اچکا۔ فٹی: سرا دینی، اکڑ۔ پھوکٹ میں: مفت میں۔ چھٹتے ہی: فوراً ہی۔

سامنے لاکر ڈھیر کر دیا۔

چکرم نے اگر بتیاں سلگائیں۔ کمرے میں دھوئیں کے ہلکے ہلکے مرغولے لہرانے لگے۔ فضا میں خوشبو پھیل گئی۔

استاد نے اپنی ترکی ٹوپی پہنی۔ شیرینی کو مصلے پر رکھا۔ آنکھیں بند کیں اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا دینے لگا۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے نوشا کو قریب بلایا۔ اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور اپنی ٹوپی اتار کر اس کے سر پر رکھ دی۔

شاگردی کی رسم ادا ہو چکی تھی۔ نوشا اب استاد پیڈرو کے حلقے میں باقاعدہ شامل ہو چکا تھا۔

استاد نے اپنے ہاتھ سے مٹھائی کا ایک ٹکڑا اس کے منہ میں رکھا اور مٹھائی تمام جیب کتروں میں تقسیم کر دی گئی۔

نوشا اٹھ کر ہر جیب کترے سے گلے مل رہا تھا۔

وہ اڈے کا ستر ہواں رکن تھا۔

پنچھی نے استاد پیڈرو کی فرمائش پر ایک فلمی گیت سنایا۔ اس کی آواز اچھی تھی۔ خوب لہک لہک کر گا رہا تھا۔ قادر گیت کے ساتھ منہ سے طبلہ بجاتا رہا۔ اچھا خاصا سماں بندھ گیا۔

آدھی رات تک یہ جشن جاری رہا۔

جیب کترے سونے کے لیے اپنے اپنے بستروں پر چلے گئے۔ ان میں زیادہ تر ایسے تھے جو اڈے پر رہتے تھے۔ ایک کمرے میں کئی کئی کی رہائش تھی۔ پوکر اور نوشا نے اپنے ٹھہرنے کا بندوبست علیحدہ کمرے میں کیا۔

لگ بھگ ہفتہ بھر تک استاد پیڈرو، نوشا کو جیب تراشی کی تکنیک سکھاتا رہا۔ زور پنجے کی مشق سے اس کی انگلیاں مضبوط اور پھرتیلی بنائی گئیں۔ آخر ایک روز چکرم کی نگرانی میں اس کی ڈیوٹی مقرر کر دی گئی۔

❁ ❁ ❁

چکرم چھریرے بدن کا طرح دار نوجوان تھا۔ وہ اپنے کام میں بڑا چوکس اور پھرتیلا تھا۔ استاد

مفہوم: محفل جمنا۔ چھریرا بدن: پتلا بدن۔ طرح دار: خوش انداز۔ چوکس: ہوشیار۔

پیڈرو اس پر اس قدر مہربان تھا کہ بہت سے سینئر جیب کتروں کی موجودگی میں چکرم کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔

استاد اس پر اعتماد بھی اتنا کرتا تھا کہ جیب کتروں کا سارا حساب کتاب وہی لیتا اور ساری رقم بھی اس کی تحویل میں رہتی۔ چکرم دل کا بھی اچھا تھا۔ نوشا کی ہر طرح دلجوئی کرتا۔ خوب خاطر مدارات کرتا۔

دن میں کئی بار چائے اور لسی کا دور چلتا۔ ٹھاٹھ سے سگریٹیں پی جاتیں۔

نوشا چند ہی روز میں چکرم سے مانوس ہو گیا۔

دونوں کی آپس میں خوب پٹنے لگی۔ ان دنوں چکرم کی ڈیوٹی شہر کے گنجان علاقے، امپیریل مارکیٹ کے بس اسٹینڈ پر تھی۔

مہینے کی شروع تاریخیں تھیں۔

پہلے ہی دن چکرم نے ایک تگڑا مرغا ذبح کیا۔ (جیب کتروں کی اصطلاح میں اس سے مراد جیب کاٹنا ہے)۔ دو سو سے اوپر کی رقم ہاتھ لگی۔

جس وقت چکرم نے جیب کاٹی نوشا قریب ہی کھڑا تھا۔ اس کے علاوہ آغا پلپلی بھی ان کے ساتھ تھا۔

چکرم نے جس دیدہ دلیری سے کاریگری کا ہاتھ دکھایا نوشا دنگ رہ گیا۔ پتہ بھی نہ چلا کہ کب اس نے ہاتھ کی صفائی دکھائی۔

نوشا کو تو اس وقت علم ہوا جب چکرم نے چمڑے کا بٹوہ اس کے ہاتھ میں دے کر نکل جانے کا اشارہ کیا۔ ایسی تمام ہدایتیں استاد پیڈرو اسے پہلے ہی دے چکا تھا اور باقاعدہ امتحان بھی لے چکا تھا۔

نوشا بٹوا سنبھال کر سیدھا اسی چائے خانے میں پہنچا جہاں چکرم روزانہ بیٹھتا تھا۔ کوئی پندرہ منٹ بعد چکرم اور آغا پلپلی بھی مسکراتے ہوئے چائے خانے میں پہنچ گئے۔ سب کچھ اتنی پھرتی اور آسانی سے ہوا کہ نوشا کے دل میں جیب تراشی کا جو خوف تھا، پہلے ہی تجربے میں بہت حد تک زائل ہو گیا۔

جانشین: قائم مقام۔ دل جوئی کرنا: تسلی دینا۔ دنگ: حیران۔ زائل ہونا: جاتے رہنا، ختم ہونا۔